BUDE-142

میر امن دہلوی کا خصوصی مطالعہ

Special Study of Meer Amman Dehlavi

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومنٹیز

بلاک 1
میرِ امن دہلوی کی شخصیت 5

بلاک 2
میرِ امن دہلوی کا فن (حصہ اول) 33

بلاک 3
میرِ امن دہلوی کا فن (حصہ دوم) 81

EXPERT COMMITTEE

Professor Malati Mathur
Director, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Professor Mohd. Shahid Husain
603/7, Shahjahanabad Apartments
Plot No. 1, Sector -11, Dwarka, New Delhi

Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim
Gul-e-Afraheim, Street No.4A, Near Sunny P.C.O, Bypass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.

Professor Wahajuddin Alvi
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia
New Delhi.

Professor Shabnam Hameed
Department of Urdu, University of Allahabad,
Prayagraj, U.P.

Professor Diwan Hannan Khan
DEL, NCERT, New Delhi.

Dr. Abdul Hafiz
Consultant (Urdu), SOH, IGNOU, New Delhi

COURSE COORDINATOR

Professor Malati Mathur, Director, School of Humanities, IGNOU, New Delhi

Dr. Abdul Hafiz Consultant Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi.

Editor: Dr. Abdul Hafiz , School of Humanities, IGNOU, New Delhi.

COURSE PREPARATION

Writers	Units
Professor Ghazanfar Ali Bushra, Lane A, Hamzah Colony, New Sir Syed Nagar, Aligarh	Unit -01 & 02
Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim, Gul- e-Afraheim Street No.4A, Near Sunny P.C.O, By Pass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.	Unit-03
Dr.Qudsia Nasir, School of Humanities, IGNOU, New Delhi	Unit-04
Professor Shabnam Hameed,(HOD) Department of Urdu University of Allahabad, Paryagraj, U.P.	Unit-05
Dr. Abdul Hafiz, School of Humanities, IGNOU, New Delhi	Unit-06
Professor Mohamed Qamarul Hooda Faridi, Department of Urdu AMU Aligarh	Unit-07 & 08
Professor Najma Rehmani Dean Faculty of Arts University of Delhi, Delhi	Unit -09
Professor Nasir M. Kamal, Department of Urdu, University of Delhi, Delhi	Unit-10 &11

PRODUCTION

Mr. Tilak Raj
Assistant Registrar (Pub.)
MPDD, IGNOU, New Delhi

April, 2022

© Indira Gandhi National Open University, 2022

ISBN:

All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the copyright holder.

Further information on the Indira Gandhi National Open University courses may be obtained from the University's office at Maidan Garhi, New Delhi-110068 or the official website of IGNOU at www.ignou.ac.in

Printed and published on behalf of the Indira Gandhi National Open University by Registrar, MPDD, Maidan Garhi, New Delhi

CRC Prepared by Tessa Media & Computers, C-206, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, N.D.-25

Printed at:

کورس کا تعارف

فاصلاتی نظامِ تعلیم کے طالب علموں کے لئے کورس کو تیار کرتے ہوئے اس بات کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا ہے کہ طلبہ کو کلاس روم میں اپنی موجودگی کا احساس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اکائی کے اغراض و مقاصد بتائے گئے ہیں تا کہ ان کو اندازہ ہو سکے کہ اس اکائی کو پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ ساتھ ہی طلبہ کو پوری اکائی پڑھنے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہونے میں معاون ایک مختصر اور مربوط تعارف پیش کیا گیا ہے۔ سلیس اور آسان زبان میں لکھی گئی اکائی کے اصل مواد کو پڑھ لینے کے بعد ''آپ نے کیا سیکھا'' ہے کے تحت کچھ نمایاں اور خاص نکات کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ طلبہ کو پوری اکائی اچھی طرح ذہن نشیں ہو جائے۔ اس کے بعد ''اپنا امتحان خود لیجیے'' کے تحت کچھ مختصر سوالات قائم کیے گئے ہیں تا کہ طلبہ از خود اپنے مطالعہ کا جائزہ لے کر امتحان کی مشق کر سکیں۔ اسی لیے مذکورہ سوالوں کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں تا کہ آئندہ طویل سوالوں کے پُر اعتماد جواب دینے میں ان کو آسانی ہو سکے۔ طلبہ کی آسانی کے لئے ہر اکائی میں مشکل الفاظ کے معنی دیئے گئے ہیں۔ تمام اکائیوں کے آخر میں معاون کتابوں کی فہرست مع ضروری حوالوں کے دینے کا مقصد طلبہ کی علمی تشنگی کی آبیاری ہے تا کہ وہ ان سے رجوع کر کے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔

اس کورس کا مقصد طلبہ کو میر امن دہلوی کی زندگی، ان کے عہد اور ان کے فن سے متعلق معلومات فراہم کرانا ہے تا کہ وہ میر امن دہلوی سے متعلق بھر پور معلومات حاصل کر سکیں۔ 2 بلاک اور 11 اکائیوں پر مشتمل یہ کورس نہ صرف میر امن دہلوی سے متعارف کراتا ہے بلکہ اردو میں داستان نگاری کی روایت سے بھی بحث کرتا ہے اس کے علاوہ میر امن کی داستان نگاری کے جملہ پہلوؤں کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کرتا ہے۔

بلاک 1 ''میر امن دہلوی کی شخصیت'' سے متعلق ہے جس میں کل 3/ اکائیاں ہیں۔

پہلی اکائی (ہندستان میں داستان گوئی) میں تمہیدی طور پر ہندستان میں داستان گوئی کا اختصار کے ساتھ ایک عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

دوسری اکائی (میر امّن دہلوی کا عہد) میں میر امّن دہلوی کے عہد کے ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول سے بحث کی گئی ہے، اس کے علاوہ اس اکائی میں میر امّن دہلوی کے عہد کے سماجی محرکات کا بھی ذکر ہے۔

تیسری اکائی (میر امن: شخصیت اور فن) میں میر امن کی زندگی کے مختلف ادوار اور ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے فن کی انفرادیت اور نمایاں اسلوب کے سبب اردو ادب میں ان کے مقام و مرتبہ کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

بلاک 2 - میر امن دہلوی کا فن (حصہ اول) ہے اس میں کل 4/ اکائیاں ہیں، جن کے بالترتیب موضوعات یہ ہیں، 'فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی'، 'میر امن دہلوی کا اسلوب'، 'میر امن دہلوی کی داستان نگاری'، 'باغ و بہار اور اس کا ماخذ۔ نوطرز مرصع'۔

دوسرے بلاک کی پہلی یعنی اس کورس کی چوتھی اکائی 'فورٹ ولیم کالج اور میر امن دہلوی' ہے اس میں فورٹ ولیم کالج کا تعارف، قیام کے مقاصد، اسکی اہمیت و افادیت اور علمی و ادبی خدمات کے تنقیدی مطالعہ کے ساتھ ساتھ میر امن کی فورٹ ولیم کالج سے وابستگی اور ان کے اہم کارناموں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

پانچویں اکائی (میر امن دہلوی کا اسلوب) ہے اس اکائی میں میر امن دہلوی کے متاثر کن نثری اسالیب کی تفاصیل پیش کی گئی ہے۔

چھٹویں اکائی (میر امن دہلوی کی داستان نگاری) میں میر امن دہلوی کی داستان نگاری کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ساتویں اکائی (باغ و بہار اور اس کا ماخذ- نوطرز مرصع) میں میر امن دہلوی کی داستان 'باغ و بہار' اور اس کے ماخذ- نوطرز مرصع کی توضیح کی گئی ہے۔

بلاک 3 ''میر امن کا فن (حصہ دوم)'' سے متعلق ہے اس بلاک میں کل 4/اکائیاں ہیں جن کے بالترتیب موضوعات 'باغ و بہار' کی تدریس منتخبہ متن کے حوالے سے'، میر امّن دہلوی کی نثر نگاری اور گنج خوبی، باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تقابلی مطالعہ، اور باغ و بہار میں ہندوستانی معاشرت' ہیں۔

تیسرے بلاک کی پہلی یعنی اس کورس کی آٹھویں اکائی ('باغ و بہار' کی تدریس منتخبہ متن کے حوالے سے) ہے اس اکائی میں 'باغ و بہار' کے منتخبہ متن کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

نویں اکائی (میر امّن دہلوی کی نثر نگاری اور گنج خوبی) ہے اس اکائی میں 'گنجِ خوبی' کا منتخبہ متن بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ تا کہ 'گنجِ خوبی' کی خوبیوں تک رسائی ممکن ہو سکے۔

دسویں اکائی (باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کا تقابلی مطالعہ) میں باغ و بہار اور فسانۂ عجائب کے فنی لوازمات، دونوں کی جزئیات، ادبی اہمیت اور مابین فرق و امتیازات کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اس عہد کے معاشرے کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔

گیارہویں اکائی (باغ و بہار میں ہندوستانی معاشرت) میں سے متعلق ہے اس اکائی میں باغ و بہار کی خصوصیات اور اردو میں باغ و بہار کے مقام و مرتبے کے تعین کے ساتھ ساتھ اس کی سماجی، ادبی و معاشرتی معنویت کو مدلل طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

BUDE-142

میر امن دہلوی کا خصوصی مطالعہ

Special Study of Meer Amman Dehlavi

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومنیٹیز

بلاک

1

میر امن دہلوی کی شخصیت

بلاک 1 کا تعارف

اکائی 1
ہندستان میں داستان گوئی 7

اکائی 2
میر امّن دہلوی کا عہد 15

اکائی 3
میر امن: شخصیت اور فن 23

بلاک 1 تعارف

بلاک 1 'میر امن دہلوی کی شخصیت' سے متعلق ہے جس میں کل 3/اکائیاں ہیں۔

پہلی اکائی (ہندستان میں داستان گوئی) میں تمہیدی طور پر ہندستان میں داستان گوئی کا اختصار کے ساتھ ایک عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

دوسری اکائی (میر امّن دہلوی کا عہد) میں میر امّن دہلوی کے عہد کے ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول سے بحث کی گئی ہے، اس کے علاوہ اس اکائی میں میر امّن دہلوی کے عہد کے سماجی محرکات کا بھی ذکر ہے۔

تیسری اکائی (میر امن: شخصیت اور فن) میں میر امن کی زندگی کے مختلف ادوار اور ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے فن کی انفرادیت اور نمایاں اسلوب کے سبب اردو ادب میں ان کے مقام و مرتبہ کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 1 ہندستان میں داستان گوئی

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 ہندستان میں داستان گوئی

1.4 آپ نے کیا سیکھا

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1.6 سوالوں کے جوابات

1.7 فرہنگ

1.8 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ

- فنِ داستان سے واقف ہوں گے۔
- ہندستان میں داستان گوئی کی روایت سے متعارف ہوں گے۔
- اردو کی اہم داستانوں سے متعارف ہوں گے۔
- اردو کے نمائندہ داستان گویوں کے حالات زندگی سے واقف ہوں گے۔
- داستان کے عہد بہ عہد ارتقا کو جان سکیں گے۔
- داستان کی زبان سے متعارف ہوں گے۔

1.2 تمہید

داستان اردو کی نثری اصناف ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ ناول اور مختصر افسانہ کی طرح اس کا شمار بھی فکشن کے زمرے میں ہوتا ہے۔ یعنی داستان بھی ایک افسانوی صنف ہے۔ اس لیے کہ اس میں بھی کہانی بیان ہوتی ہے۔ دراصل یہ کہنے اور سننے سنانے والی صنف ہے۔ اسی لیے اس کا ایک طویل زبانی سلسلہ ہے۔ بعد میں اسے تحریری شکل میں بھی محفوظ کرنے کا کام شروع ہوا اور بہت سی زبانی سنائی جانے والی داستانیں تحریری شکل میں محفوظ کر لی گئیں۔ پھر نئی داستانیں بھی لکھی جانے لگیں۔

اردو میں داستان گوئی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ اسی طرح تحریری داستانوں کا بھی ایک طویل سلسلہ موجود ہے۔ اس اکائی میں اسی سلسلے کا جائزہ پیش کیا جائے گا تا کہ آپ یہ جان سکیں کہ کہانی کا ایک روپ ایسا بھی رہا ہے اور اس روپ میں ناول اور مختصر افسانے کے برعکس خیالی اور مثالی زندگی پیش کی جاتی رہی ہے۔

1.3 ہندستان میں داستان گوئی

دیگر اصنافِ ادب کی طرح ہندستان میں داستان گوئی بھی فارسی سے اردو میں آئی۔ داستان گوئی کی ایک طویل تاریخ ہے اس کے آغاز وارتقا کی بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ اس کے محرکات وعوامل بھی ہیں جس نے اردو میں داستان کی روایت کو فروغ دیا۔ اردو داستان گوئی کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ داستان کی ماہیت پر بھی کچھ روشنی ڈالی جائے تاکہ اس صنف کے ارتقا کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔ ایسا طویل فرضی یا غیر حقیقی قصہ، جس میں حسن وعشق کی کہانی کہی گئی ہو یا کسی جنگ وجدل کی روداد بیان کی گئی ہو، یا تصوف کے موضوع کو قصے کی شکل میں دلچسپ طریقے سے پیش کیا گیا ہو اور جس کی زبان مرصع و مسجع یعنی سجی سنوری ہو، جس کے کردار، مثالی اور فرضی ہوں، جس میں مافوق الفطرت عناصر بھی موجود ہوں اور جس کی فضا پُر اسرار، پُر تجسس، حیرت انگیز اور دلچسپ ہو، داستان کہلاتا ہے۔

اس مختصر اور جامع تعریف کی وضاحت یہ ہے:

- داستان کا قصہ طویل ہوتا ہے۔
- اس کا موضوع حسن وعشق یا واقعہ جنگ وجدل یا تصوف ہوتا ہے۔
- اس میں پیش کی گئی زندگی غیر حقیقی یعنی فرضی یا خیالی ہوتی ہے۔
- اس کے کردار مثالی ہوتے ہیں۔
- اس میں مافوق الفطرت عناصر یعنی بھوت پریت، جن، پری، دیو، طلسمی تخت، طلسمی انگوٹھی، جادو کی چھڑی، اڑن طشتری وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔
- اس کی فضا تجسس سے بھری اور حیرت انگیز ہوتی ہے۔ شروع سے آخر تک اب کیا ہوا، اب کیا ہوا کی کیفیت بنی رہتی ہے۔
- اس کی زبان سجی سنوری اور پر تکلف ہوتی ہے۔

ہر صنفِ ادب کی طرح داستان کے ارتقائی سفر کی بھی ایک داستان ہے۔ یعنی کہ یہ کب پیدا ہوئی؟ کس طرح پلی بڑھی؟ کس کس مرحلے سے گزری؟ اس کے راستے میں کہاں کہاں کیسے کیسے موڑ آئے اور ان سب سے کس طرح گزر کر یہ اپنی آخری منزل تک پہنچی؟

کہا جاتا ہے کہ کھانے پینے اور دوسری ضروری کاموں کی طرح کہانی سننا بھی انسان کی جبلت میں شامل ہے۔ وہ دنیا اور اس کے حالات کو جاننا چاہتا ہے۔ اس کے ارد گرد جو سانحات وحادثات رونما ہوتے ہیں اور جو واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں، انھیں وہ سننا چاہتا ہے اور اس طرح سننا چاہتا ہے کہ وہ جو کچھ سن رہا ہے وہ دکھائی بھی دے۔ اس کی تصویر بھی ابھرے۔ اس سے اس کا ذہن ہٹے نہیں بلکہ اس کا انہاک بنا رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بیان دلچسپ ہو۔ زبان خوبصورت ہو، شستہ اور شگفتہ ہو۔ یعنی پیشکش پر کشش ہو۔

راتوں میں نانی یا دادی کے بستر کے پاس کھانے پینے سے فارغ ہو کر بچوں کا بیٹھنا اور نانی یا دادی کا کسی راجا، رانی کو لے کر شروع ہو جانا اسی انسانی جبلت کی تسکین کی تکمیل کا ثبوت ہے۔ انسان کی اسی جبلت کا تقاضا ہے کہ نانی یا دادی کی بیٹھک سے نکل کر قصہ گوئی گاؤں اور شہروں کی چوپال تک پہنچ گئی اور اس کی ضرورت نے اتنا زور

مارا کہ قصہ گوئی یا داستان سرائی با قاعدہ ایک فن بن گئی۔ اس فن کی ایسی قدر و قیمت محسوس کی گئی کہ با قاعدہ کچھ لوگوں نے اسے اپنا پیشہ بنا لیا۔ درباروں میں اس کام کے لیے کچھ لوگ مامور بھی کیے جانے لگے۔ نئے نئے انداز کے قصے گڑھے جانے لگے۔ قصہ گوئی نے ایک زمانے میں ویسا ہی زور پکڑا جس طرح بعد کے زمانے میں بائیسکوپ نے پکڑا تھا اور کچھ دنوں پہلے ٹیلی وژن کے سیریلوں نے۔ ایک زمانے میں داستان سننے اور سنانے کا سلسلہ ایسا ناگزیر ہو گیا تھا کہ جب اس میں کمی آئی یا یہ سلسلہ ختم ہوا تو شاعر کو یہ تک کہنا پڑا:

طویل ہونے لگی ہیں اسی لیے راتیں
کہ لوگ سنتے سناتے نہیں کہانی بھی

ہمارے پاس جو دستاویز دستیاب ہے اس کی رو سے قصہ گوئی کا فن بھی اردو میں فارسی سے آیا۔ ہندستان میں اس کا آغاز دکن سے ہوا۔ پھر وہاں سے ملک کے چاروں طرف پھیل گیا۔ با قاعدہ داستان گوئی کے مختلف شہروں اور قصبوں میں مراکز قائم ہوئے جہاں آس پاس کے علاقوں کے لوگ جمع ہوتے تھے اور کوئی منجھا ہوا داستان گو قصہ چھیڑتا تھا اور ایسے فن کارانہ طریقے سے سناتا تھا اور سناتے وقت ایسی ادا کاری کرتا تھا کہ سننے والے مبہوت ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہتا تھا۔ سنانے والا اپنے زورِ بیان اور قوتِ تخیّل سے قصے کو پھیلاتا چلا جاتا تھا۔ ایک واقعے یا سانحے کے بیان میں کئی کئی دن لگا دیتا تھا۔ داستان کے فن کی زبان میں اسے داستان گو کا نام دیا گیا۔ قصہ سننے سنانے کا شوق اتنا بڑھا کہ لوگ اس فن کے گُر سیکھنے کے لیے استادوں کے سامنے دو زانو بیٹھنے لگے اور با قاعدہ استادی شاگردی کا سلسلہ بھی چل نکلا۔ یہ سلسلہ ویسا ہی کامیاب ثابت ہوا جس طرح پیری مریدی کا سلسلہ کامیاب رہا تھا۔

قصہ گوئی میں اتنی مہارت پیدا کی گئی کہ لوگ اس کی محفلوں میں اس طرح بیٹھنے لگے جیسے کسی مقناطیس نے انھیں جکڑ لیا ہو۔ اس حقیقت کا اندازہ انشا اللہ خاں کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

کہانی ایک سنائی جو ہیر رانجھے کی
تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

سینہ بہ سینہ چلی آ رہی داستانیں قلمبند بھی ہونے لگیں اور ان میں انشا نگاری بھی ہونے لگی۔ زبان و بیان کے نئے نئے کمالات بھی داخل ہونے لگے۔ مروجہ اور روایتی قصوں کے ساتھ ساتھ نئے نئے قصے بھی گڑھے جانے لگے جنھیں طبع زاد کہانی کا نام دیا گیا۔

داستان گوئی کی روایت کی دو ابتدائی کڑیاں بہت مشہور ہیں۔ ایک کڑی کا تعلق مشہور شہر بغداد کے نامور بادشاہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ سے جڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملکہ زبیدہ کو داستان سننے کا بڑا شوق تھا۔ ملکہ کے اس شوق کی تکمیل کے لیے بادشاہ ہارون کے دربار میں داستان گویوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس فن کے سبب وہاں داستان گویوں کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی۔

دوسری کڑی جڑتی ہے ایک وزیرزادی شہرزاد سے جس نے اس بادشاہ سے جو اپنی ملکہ سے بے وفائی سے دل بر داشتہ ہو کر عورت ذات سے بدظن ہو گیا تھا اور ہر روز ایک شادی کرتا تھا اور صبح عورت کو قتل کر دیتا۔ عورتوں کو محفوظ کرنے کا منصوبہ بنا کر شہزادی نے مذکورہ بادشاہ سے شادی کی اور اسے ہر رات ایک کہانی سناتی جب کہانی کلائمکس پر پہنچتی تب وہ اسے کل کے لیے ملتوی کر دیتی چونکہ بادشاہ کہانی سننے کا بہت شوقین تھا اس لیے ہر روز اس کا قتل ملتوی ہو جاتا۔ اس طرح کہانیوں کا سلسلہ ایک ہزار ایک راتوں تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک ہزار ایک راتوں

میں شہزادی کی بیان کی گئیں یہی کہانیاں "الف لیلیٰ" کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہ کہانیاں جب قلم بند ہوئیں تو ان کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور ان کا ترجمہ مختلف زبانوں مثلاً، انگریزی، فرانسیسی، عربی، فارسی وغیرہ میں ہوتا چلا گیا۔

اب تک کی تحقیق کے مطابق اردو کی پہلی با قاعدہ داستان ملا وجہی کی 'سب رس' قرار پاتی ہے جو دکن کے مشہور بادشاہ قلی قطب شاہ کے عہد میں 1635" ء کے آس پاس لکھی گئی۔ اس داستان میں حسن اور دل کا قصہ دکنی زبان میں بیان ہوا ہے۔

دوسری اہم داستان 'قصۂ مہر افروز دلبر' ہے جسے عیسوی خان بہادر نے محققین کے مطابق 1730ء کے آس پاس قلم بند کی۔ نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں مہر افروز دلبر کی داستانِ معاشقہ پیش ہوئی ہوگی۔ زبان اس قصے کی بھی اردوئے قدیم ہے جس کا پڑھنا آج ہر ایک کے لیے آسان نہیں۔ اس کے بہت سے الفاظ تو آج متروک بھی ہو چکے ہیں۔

اردو کی تاریخ میں تیسری قابلِ ذکر داستان شاہ عالم ثانی کی 'عجائب القصص' ہے، جس میں شہزادہ شجاع الشمس اور ملکہ نگار کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔ شاہ عالم ثانی نے اس داستان کو 93۔1792ء کے آس پاس تحریر کیا اور بعد میں راحت افزا بخاری نے اسے ترتیب دیا۔

اسی عہد میں مخدوم حسین شاہ بیجا پوری کی 'معراج العاشقین' سامنے آئی جو ایک زمانے تک مشہور صوفی حضرت گیسو دراز بندہ نواز کی تصنیف سمجھی جاتی رہی۔ اس رسالے میں قرآن و حدیث کے ذریعہ مسلک تصوف کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اردو کی نثری داستانوں میں انشاء اللہ خاں کی 'رانی کیتکی کی کہانی' کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شمالی ہند میں لکھی جانے والی یہ پہلی داستان ہے جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی۔ اس داستان کی پذیرائی خوب ہوئی۔ آج بھی یہ کتاب اردو کی چند مقبول ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

'رانی کیتکی کی کہانی' کے بعد اردو کی جس داستان کو شہرت ملی وہ میر امن کی 'باغ و بہار' ہے۔ اپنے منفرد اندازِ بیان اور سلیس و برجستہ زبان کی بدولت 'باغ و بہار' سب سے زیادہ ہم قبولِ عام ہوئی۔ 'باغ و بہار' میں دہلی کی معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ باغ و بہار میں وہی قصہ بیان ہوا ہے جسے امیر خسرو نے اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کی طویل علالت کے دوران تیمارداری کرتے وقت پاؤں دباتے ہوئے فارسی میں سنانا شروع کیا تھا۔ فارسی میں یہ قصہ 'چہار درویش' کے نام سے مقبول تھا۔ عطا حسین خان تحسین نے اسے اردو میں 'نوطرزِ مرصع' کے نام سے منتقل کیا۔

میر امّن نے اسے فورٹ ولیم کالج کے سربراہ ڈاکٹر گلکرسٹ کے ایما پر 1802ء میں اردو میں 'باغ و بہار' کے نام سے لکھا۔ یہ قصہ تو وہی ہے مگر میر امن نے اپنے انداز بیان سے اسے بالکل نیا بنا دیا اور اپنی زبان کی اس میں ایسی چاشنی گھولی کہ اس کی لطافت اور بڑھ گئی اور آج دو سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کی شیرینی اور جاذبیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

اردو داستان کے ارتقا میں فورٹ ولیم کالج اور اس کے پرنسپل ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا بہت اہم کردار رہا ہے۔ اس کالج کے زیرِ نگرانی 'باغ و بہار' کے علاوہ بھی بہت ساری اہم داستانیں لکھی گئیں۔ ان میں سے کچھ کے نام مع ان کے مصنفین / مؤلفین کے درج کیے جا رہے ہیں:

توتا کہانی	:	حیدر بخش حیدری 1801ء
آرائشِ محفل	:	حیدر بخش حیدری 1801ء
داستانِ امیر حمزہ:		خلیل خاں اشک 1802ء
شکنتلا	:	کاظم علی جوان 1801ء
خرد افروز	:	حفیظ الدین احمدی 1803ء
مذہبِ عشق	:	نہال چند لاہوری 1804ء
نورتن	:	محمد مہجور محسن 1814ء
ہفت گلشن	:	مظہر علی ولا

'باغ و بہار' میں دلّی کی طرزِ معاشرت کا بیان دیکھ کر رجب علی بیگ سرور نے اسی انداز سے 'فسانۂ عجائب' لکھی جس میں انھوں نے لکھنوی معاشرت کو پیش کیا۔

فورٹ ولیم کالج کے بعد داستان نویسی کا سلسلہ کچھ سالوں تک رکا رہا۔ اس کے بعد جو داستانیں لکھی گئیں ان میں سب سے پہلے بلّی نامہ منظرِ عام پر آئی جسے سید غلام علی آزاد بلگرامی نے 1822ء میں قلم بند کیا۔ 1836ء میں دو داستانیں لکھی گئیں۔ ایک منشی نیم چند کھتری کی ' گل باصنوبر ' اور دوسری ملا حسین واعظ کاشفی کی ' بستانِ حکمت ۔ ان دونوں داستانوں کے بعد تین اور قابلِ ذکر داستانیں لکھی گئیں:

پہلی ' لقمۂ عندلیب ' جسے لالو گوبند سنگھ نے 1845ء میں لکھی۔ دوسری 'بحرِ دانش' جسے محمد عبد الرحمان نے 1857ء میں قلم بند کی اور تیسری 'قصۂ ممتاز 1868' ء میں مولوی محمد رفیع نے تحریر کی۔

انیسویں صدی میں داستان نویسی کی تاریخ میں ایک نیا موڑ آیا۔ اس صدی میں مشہور داستان 'الف لیلیٰ' کے اردو میں تراجم کا سلسلہ شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس داستان کی بہت سی کہانیوں کے اردو ترجمے منظرِ عام پر آ گئے۔ ان اردو ترجموں کی بڑی شہرت ہوئی اور ان کی بدولت اردو داستانوں کے سرمائے میں زبردست اضافہ ہوا۔ الف لیلیٰ کی مختلف داستانوں کو اردو میں منتقل کرنے میں جن مصنفوں نے اہم کردار نبھایا ان میں شمس الدین احمد، تو تا رام، منشی حامد علی اور مرزا حیرت دہلوی کے نام سرِ فہرست ہیں۔ ان ادیبوں کی کاوشوں سے اردو میں ترجمہ نگاری کے فن کو بھی کافی تقویت حاصل ہوئی۔ یہ داستانوں کا وہ سلسلہ ہے جس کے ڈانڈے بیرونی ممالک مثلاً بغداد، دمشق، ایران، چین، شام، جاپان، یونان، مصر اور دیگر مغربی ملکوں سے بھی ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا جائزے کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں داستان نویسی کا دور لگ بھگ دو صدیوں تک قائم رہا۔ اس داستانوی سلسلے نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کے لیے تفریح کے سامان بہم پہنچائے بلکہ اخلاقی تعلیم دینے اور ان کے کردار کو سنوارنے میں بھی اہم رول ادا کیا مگر افسوس کہ اس صنف کا سلسلہ اچانک منقطع ہو گیا۔ داستان نویسی اور داستان گوئی کے بند ہونے کا سب سے بڑا سبب صنف ناول کا ظہور ہے۔ ویسے تو اس صنف کا آغاز مغرب میں ہوا مگر اس کی کامیابی اور نئے پن نے مشرق کو بھی اپنی زد میں لے لیا اور اب قصہ خیال کے بجائے حقیقت سے جڑ گیا۔ عوام کی زبان میں زندگی کی حقیقتیں قصے کا روپ لینے لگیں، خیالی اور مثالی کرداروں کی جگہ حقیقی دنیا کے چلتے پھرتے انسان نظر آنے لگے۔ اس طرح ناول کے زور نے داستان کا سلسلہ بند کر دیا۔ یہ اور بات ہے کہ ان دنوں پھر سے داستانیں سنائی جانے لگی ہیں اور لوگ داستان سننے میں دلچسپی بھی لینے لگے ہیں۔ مگر سنائی جانے والی داستانیں نئی نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں جو کسی زمانے میں بہت مشہور رہی ہیں۔

1.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی کے مطالعہ سے

- آپ داستان کے معنی و مفہوم سے واقف ہوئے۔
- آپ کو داستان گوئی اور داستان نویسی کا فرق معلوم ہوا۔
- آپ کو اردو داستان کے محرکات و عوامل معلوم ہوئے۔
- آپ اردو داستان کے عہد بہ عہد ارتقا سے واقف ہوئے۔
- آپ اردو کی اہم داستانوں سے متعارف ہوئے۔
- آپ اردو کے اہم داستان گویوں سے متعارف ہوئے۔
- آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اردو کی کون سی داستانیں طبع زاد ہیں اور کون سی دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کی گئیں۔

1.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ داستان کس کہانی کو کہتے ہیں؟

2۔ داستان میں خیالی زندگی ہوتی ہے یا حقیقی؟

3۔ مافوق الفطرت عناصر سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مثالوں سے سمجھایئے۔

4۔ اردو کی پہلی داستان کون سی ہے۔

5۔ اردو کی دوسری داستان کون سی ہے، اسے کس نے لکھی اور یہ کب لکھی گئی؟

6۔ 'نوطرز مرصع' اور 'باغ و بہار' میں کیا فرق ہے؟

7۔ فورٹ ولیم کالج میں لکھی جانے والی کچھ اہم داستانوں کے نام بتایئے۔

8۔ کچھ اہم داستان نویسوں کے نام لکھیے۔

9۔ 'الف لیلیٰ' کے ترجمہ نگاروں کے نام بتایے۔

10۔ کس صنف کے آنے سے اردو میں داستان نویسی کا سلسلہ بند ہو۔

1.6 سوالوں کے جوابات

1- داستان اس طویل کہانی کو کہتے ہیں جس میں خیالی اور مثالی زندگی کو مرصع زبان میں مافوق الفطری عناصر کے ذریعے پیش کی جاتی ہے۔

2- داستان میں خیالی زندگی ہوتی ہے۔

3- انسانی کرداروں کے علاوہ کچھ ایسے کردار اور عناصر بھی ہوتے ہیں جو عقل سے پرے ہوتے ہیں جیسے بھوت پریت، جن، پری، دیو، جادو کی چھڑی، طلسمی، تخت، جادو کی انگوٹھی وغیرہ۔

4- ملا وجہی کی کتاب 'سب رس' کو اردو کی پہلی داستان تسلیم کیا جاتا ہے۔ جو دکن کے مشہور بادشاہ قلی قطب شاہ کے عہد میں 1635ء کے آس پاس لکھی گئی۔

5- اردو کی دوسری اہم داستان 'مہر افروز دلبر' ہے جسے عیسوی خاں بہادر نے 1730 کے آس پاس لکھی۔

6- 'نوطرز مرصع' اور 'باغ و بہار' دونوں میں ایک ہی کہانی پیش کی گئی ہے اور وہ ہے قصہ چہار درویش، مگر تحسین کی 'نوطرز مرصع' کی زبان ادق اور مشکل ہے اور میر امن کی 'باغ و بہار' کی زبان نہایت آسان اور رواں ہے۔ اسی لیے 'نوطرز مرصع' ترجمہ لگتی ہے جبکہ 'باغ و بہار' طبع زاد محسوس ہوتی ہے۔

7- 'باغ و بہار، آرائشِ محفل، توتا کہانی، داستانِ امیر حمزہ، ہفت گلشن، مذہبِ عشق وغیرہ

8- ملاّ وجہی، رجب علی بیگ سرور، عطا حسین خاں تحسین، میر امن، حیدر بخش حیدری، للولال، کاظم علی جوان وغیرہ

9- شمس الدین، توتا رام، حامد علی، مرزا حیرت دہلوی۔

10- مغرب سے صنفِ ناول کے آجانے سے اردو میں داستان نویسی کا سلسلہ بند ہوا۔

1.7 فرہنگ

زمرے	گروہ، جماعت، خانے
طویل	لمبا
مبہوت	ہکا بکا ہونا، حیران ہو جانا
گُر	ہنر، فن
زبانی سلسلہ	کہانی سنانے کا سلسلہ
محرکات	محرک کی جمع، حرکت دینے والے
عوامل	عاملہ کی جمع، عمل کرنے والی اشیا
ارتقا	ڈولیوپ مینٹ
ماہیت	اصلیت
پراسرار	بھید سے بھرا
پرتجسس	تجسس سے بھرا،
فرضی قصہ	خیالی قصہ، ایسا قصہ جس کا تعلق حقیقی زندگی سے نہ ہو
جنگ وجدل	لڑائی جھگڑا
مرصع	جواہر جڑا ہوا۔ موزوں الفاظ کی نظم یا نثر جس میں الفاظ نگینے کی طرح جڑے ہوں

مسجع	سجع کیا ہوا۔قافیہ بند، مقفیٰ عبارت
مافوق الفطرت	فطرت سے اوپر، غیر عادی، جو عقل میں نہ آے
حیرت انگیز	حیرت میں ڈالنے والا
وقوع پذیر ہونا	ظہور میں آنے ۔عمل میں آنا
جبلّت	فطرت،خلقت، پیدائش
جاذبیت	کشش
طبع زاد	خود سے لکھی ہوئی،اوریجنل
سانحات	سانحہ کی جمع،حادثات
برجستہ	بے سوچے، برمحل، اپنے آپ منہ سے کسی بات کا نکل آنا

1.8 کتب برائے مطالعہ

باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ نقوی	اردو، پبلشرز، تلک مارگ،لکھنو،1978
اردو نثر پر فورٹ ولیم کالج کے اثرات	ڈاکٹر عبیدہ بیگم	نصرت پبلشرز لکھنو، 1983
اصنافِ نظم ونثر	ڈاکٹر علی احمد خان ڈاکٹر اشفاق احمد ورک	الفیصل ناشران،اردو بازار لاہور، 2014
رسالہ ادیب		جامعہ اردو، علی گڑھ،جلد 10, شمارہ 1,2, جنوری تا دسمبر، 1986

اکائی 2 میر امّن دہلوی کا عہد

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد
2.2 تمہید
2.3 میر امّن دہلوی کا عہد
2.4 آپ نے کیا سیکھا
2.5 اپنا امتحان خود لیجیے
2.6 سوالوں کے جوابات
2.7 فرہنگ
2.8 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ

- میر امن دہلوی کے عہد سے واقف ہوسکیں گے۔
- میر امن دہلوی کے دور کے سماجی وتہذیبی صورتِ حال سے متعارف ہوسکیں گے۔
- میر امن دہلوی کے عہد کے سیاسی حالات سے واقف ہوسکیں گے۔
- فورٹ ولیم کالج کی لسانی وادبی سرگرمیوں سے متعارف ہوسکیں گے۔
- میر امن دہلوی کے عہد میں لکھی گئیں نثری کتابوں کے بارے میں جان سکیں گے۔
- میر امن دہلوی کے عہد میں لکھی گئیں داستانوں سے متعارف ہوسکیں گے۔
- میر امن دہلوی کے دور کے مصنفین سے متعارف ہوسکیں گے۔
- فورٹ ولیم کالج کی خدمات سے واقف ہوسکیں گے۔
- اس عہد کی زبان کی خصوصیات سے واقف ہوسکیں گے۔

2.2 تمہید

اردو نثر نگاری کی تاریخ میں بہت سے موڑ آئے جنھوں نے اردو نثر کو نئی سمت عطا کی۔ ان میں سے ایک اہم موڑ میر امّن کا عہد بھی ہے۔ اس عہد کو گلکرسٹ کا عہد یا فورٹ ولیم کالج کا عہد بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ لسانی

نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو فورٹ ولیم کالج اور اس کے ہندوستانی زبانوں پہلے صدرِ شعبہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ دونوں نے اس عہد کو بہت متاثر کیا۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو میرامن کو پیدا کرنے والے بھی یہی ہیں۔ انھیں کی سوچ، انھیں کی ضرورت اور انھیں کی کوشش اور تلاش وجستجو نے میرامن کو کلکتے میں بلا کر ان سے وہ کام لیا کہ پورا ایک عہد میرامن کے نام سے جانا جانے لگا۔ اسے میرامن دہلوی کا عہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے میرامن نے اپنی کتاب 'باغ و بہار' کی روشنی سے اسے ایسا روشن کیا کہ یہ عہد میرامن کے نام سے جڑ گیا۔ یہ عہد تاریخ میں اس لیے مشہور ہوا کہ اسے میرامن جیسا مصنف ملا۔ جس نے ایک ایسی کتاب لکھ دی جس سے اردو نثر نگاری میں ایک انقلاب آ گیا۔

اس کی زبان کی بدولت اردو نثر کو ایک نیا رنگ و آہنگ نصیب ہوا۔ یہ کتاب اتنی اچھی لکھی گئی اور اس میں ایسی پرکشش زبان استعمال کی گئی کہ اس زمانے کے اہلِ ذوق کی توجہ کا مرکز تو بنی ہی نئے لکھنے والوں کے لیے نمونہ اور مشعلِ راہ بھی بن گئی۔

اس اکائی میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس عہد کو میرامن نے چمکایا اس عہد میں اور کیا کیا تھا۔ اس نے اردو زبان کے لیے کیا کیا کیا۔

2.3 میرامّن دہلوی کا عہد

اردو نثر کو جن ادیبوں نے نئی سمتوں کا پتا دیا اور اس کے فروغ میں کلیدی کردار نبھایا ان میں میرامّن دہلوی کا نام بھی خاصا اہم ہے۔ میرامن نے اردو زبان وادب کے لیے وہ کام کیا کہ اردو نثر نگاری کی تاریخ میں ایک عہد ان کے نام سے موسوم ہو گیا۔ کسی ادیب کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ کوئی عہد اس کے نام سے جانا گیا یا جانا ئے مگر اتنا بڑا اعزاز کسی کو یوں ہی نہیں مل جاتا، اس کے لیے اس ادیب کو اپنا خونِ جگر صرف کرنا ہوتا ہے۔ جان توڑ محنت کرنی پڑتی ہے۔ دن رات ایک کرنا ہوتا ہے۔ مراقبے میں بیٹھنا ہوتا ہے۔ چلّہ کھینچنا پڑتا ہے۔ کشف کے عالم سے گزرنا ہوتا ہے۔ میرامن نے یہ سب کیا۔ ویسے تو فورٹ ولیم کالج کے ایک اشاعتی شعبے میں کتابیں تیار کرنے کے لیے ملازم رکھا گیا تھا اور انھیں منشی گیری کے لیے محنتانہ بھی ملتا تھا مگر میرامن نے اسے اپنا شوق بنا لیا۔ اس لکھنے پڑھنے کے کام میں ایسی دلچسپی لی اور اسے اس انہاک سے کیا کہ اردو زبان کے بطن سے اردو کی ایک ایسی صورت نکل آئی جس کے حسن و جمال نے زمانے کو مبہوت کر دیا۔ جو ہر ایک نظر کا مرکز بن گئی۔ ہر دل کو بھا گئی۔ ایک ایک دماغ میں سما گئی۔ ایک ایک زبان پر چڑھ گئی۔

میرامن کا عہد وہ عہد ہے جس میں باہر سے آئی ایک تجارتی کمپنی اچانک ایک رات حکمرانی کا خواب دیکھتی ہے اور بہت جلد اپنے اس خواب کی تعبیر بھی پا جاتی ہے۔ تجارت کرتے کرتے حکومت کرنے کے اپنے منصوبے کو اپنی حکمت عملی اور دوراندیشی سے عملی جامہ بھی پہنا دیتی ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی جو ہندوستان میں آئی تھی تجارت کرنے مگر وہ حکمراں بن بیٹھی۔ اس کی تاجرانہ حریص آنکھوں نے دیکھا کہ یہ ملک تو واقعی سونے کی چڑیا ہے۔ یہاں کی زمین میں تو خزانہ دفن ہے اور یہاں کے لوگ بھی سیدھے سادے اور محنتی ہیں۔ انھیں کی محنت سے ان کی دولت اپنے بس میں کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ سب سے

پہلے انھوں نے یہ سوچا کہ ان کو بس میں کس طرح کیا جاے۔ اور اس سوچ وچار کے دوران کمپنی کے مالکان جو خاصے پڑھے لکھے تھے، اس نتیجے پر پہنچے کہ یہاں کے لوگوں کی زبان سیکھی جائے۔ اسی کے ذریعے ان کے دل و دماغ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی ان کے ذہن میں ایک ایسے ادارے کا خیال آیا جو انھیں یہاں کی زبان سکھانے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ اس طرح فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کا ایک شعبہ قائم ہو گیا۔ اور اس میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ ایسی آسان اور دلچسپ کتابیں تیار کی جائیں جن سے انھیں کم وقت میں یہاں کی زبانیں آ جائیں۔ خصوصاً وہ زبان جلد سے جلد وہ سیکھ جائیں جو رابطے یعنی بول چال کی زبان تھی۔ ظاہر ہے کہ اردو اس وقت ہندستان میں رابطے کی زبان تھی چنانچہ اس زبان پر توجہ دی گئی اور اس زبان کے ماہرین اور مصنفین کو ملازمت دے کر کلکتے میں جمع کیا گیا اور ان کے قلم سے فائدہ اٹھا کر کتابیں لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

کسی عہد کی پہچان اس عہد میں کیے گئے سیاسی، سماجی، اقتصادی، تہذیبی و ثقافتی کاموں سے ہوتا ہے یا پھر ان ناقابلِ فراموش واقعات و حادثات سے ہوتا ہے جو وقوع پزیر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے میر امن کے عہد کا جائزہ لیا جائے تو ایک ادب کے طالب علم کی نگاہیں جن امور پر ٹھہرتی ہیں، وہ یہ ہیں:

- فورٹ ولیم کالج کا قیام اور اس میں ہندستانی زبانوں کے مرکز پر دی جانے والی خصوصی توجہ۔
- اس دور میں کیے گئے لسانی و ادبی کارنامے۔
- اس دور کے مصنفین جو ایک مرکز پر جمع کئے گئے تھے۔
- وہ کتابیں جو اس عہد میں فورٹ ولیم کالج میں جان گلکرسٹ کی زیرِ نگرانی لکھی گئیں۔
- جان گلکرسٹ جس نے ہندستانی زبانوں کے فروغ کا منصوبہ بنایا اور لسانی سرگرمیوں کی راہ ہموار کی
- اردو زبان خصوصاً اردو نثر میں ہوئی تبدیلی اور نئے رنگ و آہنگ
- باغ و بہار کی غیر معمولی مقبولیت
- میر امن کی داستان 'باغ بہار' اور فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کی زبان کے دوسروں کی تحریروں پر مرتب ہونے والے اثرات۔

1- فورٹ ولیم کالج: یہ وہ کالج ہے جو کلکتے میں 10 / جولائی 1800ء کو قائم کیا گیا۔ یہ وہ پہلا ادارہ ہے جہاں اجتماعی طور پر باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت اردو نثر کی ترویج و ترقی کے لیے کوششیں کی گئیں۔ یہ کالج ہندستان میں نو وارد انگریزوں کی تعلیم و تربیت کے مقصد سے کھولا گیا۔ یہ کالج گلکرسٹ کی سوچ اور اس سوچ کو ملنے والے انگریز افسر ولزلی کی حمایت کی بدولت عمل میں آیا۔

2- ہندستانی زبانوں کا لسانی مرکز: یہ وہ مرکز ہے جو انگریزوں کو ہندستانی زبانیں سکھانے کے لیے کھولا گیا۔ اس کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہاں ہندستانی ادیبوں کی مدد سے ایسی کتابیں تیار کی جا سکیں جو آسان، عام فہم اور دلچسپ ہوں اور جو زبان سکھانے میں زیادہ معاون ثابت ہو سکیں۔ یہ شعبہ اس کالج کے پرنسپل جان گلکرسٹ کی اس سوچ کے نتیجے میں عمل میں آیا کہ ہندستانی زبان سیکھے بغیر کمپنی کا کوئی

ملازم اپنی ذمے داری کو اچھی طرح نبھا نہیں سکتا اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

اس لسانی مرکز میں سب سے زیادہ جس زبان کو توجہ ملی وہ ہندستانی تھی۔ ہندستانی سے مراد ویسے تو ہندی اور اردو دونوں تھیں مگر عملاً جس زبان کو زیادہ فروغ حاصل ہوا وہ اردو تھی۔

جان گلکرسٹ: جان گلکرسٹ فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی شعبے کے پہلے صدر تھے۔ ان کا پورا نام جان بارتھ وک جان گلکرسٹ تھا۔ وہ پیشے سے ایک ڈاکٹر تھے۔ دستیاب شواہد کی بنا پر ان کی تاریخ پیدائش 19 جون 1759ء ہے۔ ان کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں 1800ء میں ہوا۔ انھوں نے ہی کالج میں ہندستانی زبانوں کے شعبہ کو قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ اس شعبے میں دلچسپی لینے اور اس کی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے میں ان کا یہ احساس کارفرما تھا کہ ہندستانی زبان پر قدرت اور ہندستانی تہذیب وثقافت سے قربت کے بغیر برطانوی حکومت اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جان گلکرسٹ ایسٹ انڈیا کمپنی کے صرف ایک اعلیٰ عہدہ دار اور فورٹ ولیم کالج کے ہندوستانی زبانوں کے صدر ہی نہیں بلکہ وہ ایک ماہرِ لسانیات اور محققِ زبان بھی تھے۔ ساتھ ہی ایک زبردست مفکر اور پلانر بھی تھے۔ انھوں نے اردو کے فروغ میں ایک ناقابلِ فراموش کردار نبھایا۔ انھوں نے دوسرے مصنفین سے کتابیں تو لکھوائیں ہی، خود بھی کئی اہم اور قابلِ قدر کتابیں لکھیں۔ ان کی تصنیفات میں ہندستانی زبان کے قواعد، مشرقی زبان دان، ہندستانی زبان پر مقدمہ، ہندستانی زبان کی مشقیں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ انھوں نے انگریزی ہندستانی لغت بھی دو جلدوں میں تیار کیں۔

میر امن کے دور کے ادبی اور لسانی کاموں میں سب سے اہم کام یہ ہوا کہ اس دور کی لسانی سرگرمیوں سے اردو زبان کا مزاج بدل گیا۔ مشکل زبان آسان ہوگئی۔ نثر قافیہ پیمائی اور بے جا مرصع نگاری سے پاک صاف ہوگئی۔ زبان اس قابل ہوگئی کہ وہ قصہ کہانیوں کے ساتھ ساتھ علمی اور دیگر موضوعات کو سلیقے سے پیش کرنے لگی۔

فورٹ ولیم کالج سے پہلے اردو نثر عالمِ طفولیت میں تھی۔ اس عہد میں اردو نثر کی ایک مضبوط اور بھرپور روایت قائم ہوئی جو مسلسل آگے بڑھی۔ اس عہد نے اردو نثر کو کافی فروغ دیا۔ دوسرا اہم کام اس عہد کا یہ ہے کہ اس نے اردو کو میر امن جیسا ادیب دیا اور تیسرا اور شاید سب سے بڑا کام یہ کیا کہ اس نے اردو زبان کو 'باغ و بہار' جیسی بیش قیمت اور لازوال کتاب سے مالا مال کیا۔

میر امن کے عہد کے مصنفین: پہلا نام تو میر امن کا ہی ہے جن کے ادبی کارناموں کی بدولت یہ عہد ان کے نام سے موسوم ہو گیا۔ میر امن کو بعض تذکرہ نگاروں نے میر امان بھی لکھا ہے۔ مگر خود انھوں نے 'باغ و بہار' میں اپنا نام میر امن لکھا ہے۔ چونکہ وہ دہلی کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے نام کے ساتھ لفظِ دہلوی بھی جڑ گیا۔ میر امن کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک خوش حال اور منصب دار گھرانے میں پیدا ہوئے مگر اٹھارہویں صدی میں دہلی سلطنت کی تباہی کے سبب ان کے خاندان کو بھی ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ معاش کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے وہ پہلے پٹنہ پھر کلکتہ پہنچے اور اپنے ایک دوست کی مدد سے گلکرسٹ تک رسائی حاصل کی۔ گلکرسٹ نے ان کی قابلیت کی بنیاد پر انھیں اپنے کالج میں بطور منشی رکھ لیا۔ 'باغ و بہار' کے علاوہ میر امن نے کئی اور کتابیں بھی لکھیں جن میں 'گنجِ خوبی' قابلِ ذکر ہے مگر ان کی دوسری کتابوں کو وہ شہرت نہ مل سکی جو 'باغ و بہار' کو نصیب ہوئی۔

اس عہد کے دوسرے مشہور مصنف کا نام حیدر بخش حیدری ہیں۔حیدر بخش حیدری بارہویں صدی ہجری کے نویں عشرے میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے اپنے والد کے ساتھ بنارس پہنچے اور وہیں بس گئے۔ پھر تلاشِ معاش میں کلکتہ گئے اور فورٹ ولیم کالج میں اپنی قابلیت کی بنیاد پر ہندستانی زبانوں کے شعبے میں منشی کے عہدے پر رکھ لیے گئے۔کئی سالوں تک مسلسل کام کرنے کے بعد 1814ء میں وہ بنارس لوٹ آئے۔

ان کی کتابوں میں 'آرائشِ محفل' اور طوطا کہانی' مشہور ہیں۔ان دونوں کتابوں کے علاوہ انھوں نے قصہ مہر و ماہ، لیلیٰ مجنوں اور مجموعۂ حکایات بھی لکھی۔ان کی زبان بھی سادہ اور سلیس ہے۔فورٹ ولیم کالج میں آنے سے پہلے ہی انھوں نے 1799ء میں فارسی کے ایک مشہور و مقبول قصہ ''مہر و ماہ'' کو اردو میں منتقل کیا تھا۔

خلیل خاں اشک بھی فورٹ ولیم کالج کے ایک اہم مصنف تھے۔ان کا پورا نام خلیل علی خاں تھا۔اشک تخلص کرتے تھے۔ان کا اصل وطن تو دلی تھا مگر ان کی پرورش فیض آباد میں ہوئی۔1801ء میں وہ کلکتہ آئے اور کاظم علی کی وساطت سے گلکرسٹ تک رسائی حاصل کی۔گلکرسٹ نے ان کی صلاحیت کو پہچانا اور ان سے 'داستانِ امیر حمزہ' کے ترجمے کی فرمائش کی۔

نہال چند لاہوری بھی اس عہد کے ایک اہم مصنف تھے۔ان کی تاریخ پیدائش اور وفات کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ وہ باقاعدہ فورٹ ولیم کالج کے ملازم بھی نہیں تھے مگر جان گلکرسٹ نے ان سے ہندستانی زبانوں کے شعبے کے لیے 'مذہب عشق' کے نام سے مشہور داستان 'گل بکاؤلی' کا ترجمہ کرایا۔ 'گل بکاؤلی' شیخ عزت اللہ بنگالی کی تصنیف تھی جو فارسی میں لکھی گئی تھی۔ یہی نثری قصہ بعد میں پنڈت دیا شنکر نسیم کے ہاتھوں مثنوی گلزار نسیم کی شکل میں پیش ہوا۔ 'مذہب عشق' کا شمار اپنے عہد کی مشہور تصانیف میں ہوتا ہے۔ قصے کی روح میں ہندوستان کے داستانوی عہد کی چھاپ ہے۔ یہ قصہ اپنے زمانے کے مطابق داستانوی خصائص اور عناصر سے مملو ہے جو داستان کے تکنیکی عناصر خیال کئے جاتے ہیں۔

اس عہد کی زبان کی ترجمانی میر امن کی داستان 'باغ و بہار' سے ہوتی ہے۔ کالج سے جڑے سبھی مصنفین نے کوشش کی کہ ان کی کتابوں کی زبان گلکرسٹ کے منشا اور انگریزی حکومت کے مقصد کے مطابق ہوں۔اس عہد کی نثر کے زبان کا تجزیہ کرتے ہوئے درج ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں:

- بول چال کا انداز
- عوامی لب و لہجہ
- سادہ اور عام فہم الفاظ
- دیسی زبان کے استعمال پر زور
- فارسی آمیز ادق اور مشکل الفاظ سے اجتناب
- جملوں کی ترتیب میں آسانی اور روانی کا خیال
- عوام کے روزمرہ و محاورں کا کثرت سے استعمال

- مکالمے چست درست اور فطری لکھنے کی کوشش۔

فورٹ ولیم کالج میں گلکرسٹ کی زیرِ نگرانی لکھی گئی کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے جس میں زیادہ تر کتابوں میں قصے کہانیاں موجود ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ کہانی کی قوت کو اس دور میں سب سے زیادہ محسوس کیا گیا۔ اور یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ دوسروں تک اپنی بات کو پہنچانے کا وسیلہ کہانی سے بہتر کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس عہد کی کچھ اہم کتابوں کی فہرست درج ہیں۔

باغ و بہار : میر امن دہلوی

آرائشِ محفل : حیدر بخش حیدری

توتا کہانی : حیدر بخش حیدری

داستانِ امیر حمزہ: خلیل علی خاں اشک

شکنتلا : کاظم علی جوان

مذہبِ عشق : نہال چند لاہوری

ہفت گلشن : مظہر علی ولا

پریم ساگر : للولال جی

فورٹ ولیم کالج میں تیار ہونے والی کتابوں کی مقبولیت کے اثرات: ۔ ویسے تو فورٹ ولیم کالج نو وارد انگریزوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مخصوص تھا مگر یہاں پر تیار کی جانے والی کتابوں کی شہرت کالج کے باہر بھی پہنچ رہی تھی۔ کتابوں کی نثر عوام کو متاثر کر رہی تھی۔ چنانچہ کالج کے باہر کے ادیبوں میں بھی فورٹ ولیم کالج کے اسلوب کا چرچا تھا۔ اور وہ بھی اس کے زیر اثر اپنی کتابوں میں عام فہم زبان استعمال کر رہے تھے اور اظہار کا سادہ وسیلہ اختیار کرنے میں مصروف تھے۔ ان کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ان کی کتابیں بھی عوام میں مقبول ہوں اور دوسرا مقصد غالباً یہ تھا کہ وہ بھی انگریزوں کی فیاضی سے مستفید ہونا چاہتے تھے۔ اس رجحان کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی نرائن جہان کی کتابیں نہ صرف یہ کہ فورٹ ولیم کالج میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں بلکہ ان کی خوب پزیرائی بھی ہوئی۔ ساتھ ہی عوام میں بھی خاصی مقبول ہوئیں۔ باہر کے ادیبوں کا مقصد خواہ کچھ بھی رہا ہو مگر یہ بات تو ہوئی کہ میر امن کے اس عہد نے اردو زبان کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا اور اردو نے نثر کو ایک نیا انداز عطا کیا۔

2.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ

- میر امن دہلوی کے عہد سے واقف ہوئے۔
- میر امن دہلوی کے دور کے سیاسی، سماجی و تہذیبی حالات سے متعارف ہوئے۔
- فورٹ ولیم کالج کی لسانی و ادبی سرگرمیوں سے متعارف ہوئے۔
- میر امن دہلوی کے عہد میں لکھی گئیں نثری کتابوں کے بارے میں جان سکے۔
- میر امن دہلوی کے عہد میں لکھی گئیں داستانوں سے متعارف ہوئے۔

- میر امن دہلوی کے دور کے مصنفین سے متعارف ہوئے۔
- فورٹ ولیم کالج کی خدمات سے واقف ہوئے۔

2.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- فورٹ ولیم کالج کے عہد کو میر امن کے عہد سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے۔

2- فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کا شعبہ کیوں کھولا گیا۔اور اس کا منصوبہ کس نے بنایا؟

3- فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کے شعبے میں کس طرح کی زبان لکھی گئی؟

4- فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کے شعبے میں قصے کہانیوں کی کتابیں ہی کیوں لکھی گئیں؟

5- فورٹ ولیم کالج سے جڑے کچھ نمایاں مصنفین کے نام لکھیے۔

6- فورٹ ولیم کالج کی کتابوں کے باہر کے مصنفین پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

7- گلکرسٹ کی کچھ کتابوں کے نام بتایے۔

8- میر امن کے عہد نے اردو زبان خصوصاً اردو نثر کے فروغ میں کیا کردار نبھایا؟

9- میر امن کے عہد کی زبان کی خوبیاں بیان کیجیے۔

2.6 سوالوں کے جوابات

1- میر امن کے عہد نے اردو کو بول چال کی زبان سے قریب کیا۔اس کے مشکل اظہار کو آسان کیا۔زبان کو رواں بنایا۔اردو کو اس قابل بنایا کہ یہ علمی موضوعات کو بھی پیش کر سکے۔

2- فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کا شعبہ اس لیے کھولا گیا کہ نو وارد انگیریزوں کو یہاں کی زبانیں سکھائی جا سکیں۔اس کا منصوبہ ہندستانی زبانوں کے شعبہ کے پہلے صدر ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے بنایا۔

3- فورٹ ولیم کالج میں ہندستانی زبانوں کے شعبے میں آسان اور دلچسپ زبان لکھی گئی۔ایسی زبان جو آسانی سے پڑھی جا سکے اور بنا کسی رکاوٹ کے اپنی بات کا اظہار کیا جا سکے۔

4- فورٹ ولیم کالج میں قصے کہانیوں کی کتابیں اس لیے لکھی گئیں کہ پڑھنے والا دلچسپی لے سکے۔کہانی میں چوں کہ دل و دماغ کو گرفت میں لینے کی قوت ہوتی ہے،اس لیے یہ کوشش کی گئی کہ آسان زبان میں کہانی پیش کی جائیں تا کہ پڑھنے والے یا زبان سیکھنے والے اس طرف راغب ہو سکیں۔

5- فورٹ ولیم کالج سے وابستہ رہے مصنفوں میں میر امن دہلوی،حیدر بخش حیدری،خلیل خاں اشک،کاظم علی جوان،نہال چند لاہوری،مظہر علی ولا (مرزا لطف علی) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

6- فورٹ ولیم کالج میں تیاری کی گئی کتابوں کا چرچا کالج سے باہر بھی ہونے لگا اور جس کا اثر یہ ہوا کہ باہر کے مصنفین بھی اسی انداز میں کہانی لکھنے لگے تا کہ وہ بھی مقبول و مشہور ہو سکیں۔

7- گلکرسٹ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں،ہندستانی زبان کی قواعد،مشرقی زبان دان،ہندستانی زبان پر مقدمہ اور ہندستانی زبان کی مشقیں کافی اہم ہیں۔

8- میرامن کے عہد میں اردو زبان کے فروغ میں ایک بنیادی کام یہ ہوا کہ فورٹ ولیم کالج کے زیرِ نگرانی اردو کی بہت سی اہم کتابیں لکھی گئیں۔ قصے اور کہانیوں کے ساتھ ساتھ لغت اور قواعد کی کتابیں بھی تیار ہوئیں۔

9- میرامن کے عہد کی زبان کی خوبیاں: روزمرہ کا استعمال، آسان اور عام فہم الفاظ، روانی اور برجستگی ہے۔

2.7 فرہنگ

کلیدی	بنیادی
موسوم	نام رکھا گیا
اعزاز	انعام
طفولیت	لڑکپن، کم عمری کا زمانہ
کشف	ظاہر ہونا، الہام
انہماک	محویت۔ کسی چیز یا کام میں کھو جانا
مبہوت	حیران، ہکابکا
دوراندیشی	دور تک دیکھنا
حکمتِ عملی	تدبیر، ہوشیاری
عملی جامہ پہنانا	کام کو انجام دینا
حریص	لالچی
ماہرین	ماہر کی جمع اکسپرٹ
اقتصادی	مالی، معاشی
ثقافتی	تمدنی، کلچر سے متعلق
غیر معمولی	بہت زیادہ
مرصع نگاری	ایسی طرزِ نگارش جو سجی سنوری ہو۔ جس میں مناسب اور موزوں لفظوں کی ترتیب سے سجاوٹ کی گئی ہو
قافیہ پیمائی	ایسی عبارت جس کے جملوں میں شاعری کی طرح قافیوں کا اہتمام کیا گیا ہو

2.8 کتب برائے مطالعہ

باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ	امام مرتضیٰ نقوی	اردو پبلشرز تلک مارگ لکھنو ۱۹۷۸ء
ہماری داستانیں	وقار عظیم	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس سوئیوالان، نئی دہلی
میرامن (مونوگراف)	ابن کنول	اردو اکادمی دہلی ۲۰۱۲ء
اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، ۱۹۸۷ء
اردو داستان: تحقیق و تنقید	قمر الہدیٰ فریدی	علی گڑھ
اردو زبان اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد	ادارۂ فروغِ اردو، امین آباد، لکھنو
اردو نثر پر فورٹ ولیم کالج کے اثرات	ڈاکٹر عبیدہ بیگم	نصرت پبلشرز لکھنو، 1983
باغ و بہار (تحقیق و تنقید کے آئینہ میں)	مقدمہ سلیم اختر	اعجاز پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی
داستان سے افسانے تک	وقار عظیم	طاہر بک ایجنسی قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۲، ۱۹۷۲ء
اردو داستان (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

اکائی نمبر 3 میرامن: شخصیت اور فن

ساخت

3.1 اغراض ومقاصد

3.2 تمہید

3.3 میرامن: شخصیت اور فن

3.3.1 میرامن کی شخصیت

3.3.2 میرامن کا فن

3.4 آپ نے کیا سیکھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

3.6 سوالوں کے جوابات

3.7 فرہنگ

3.8 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- میرامن کی شخصیت سے واقف ہوں گے۔
- میرامن کے اسلوب، زبان اور اسکی دل کشی کو جان سکیں گے۔
- میرامن کی داستان نگاری کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔
- میرامن کی داستان 'باغ وبہار' کی مقبولیت کے اسباب کو بھی جان سکیں گے۔
- 'باغ وبہار' کی تصنیف کے وقت کی ہندوستانی معاشرت سے متعارف ہوں گے۔
- میرامن کے توسط سے دہلوی تہذیب وتمدن سے بھی واقف ہوں گے۔

3.2 تمہید

انسانی زندگی میں 'تفریحات' کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ 'تفریح' سے وقتی سکون ضرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کا سلسلہ تاریخی اعتبار سے انتہائی دراز ہے۔ انسانی ارتقاء جب سوچنے، سمجھنے کے مرحلہ پر پہنچا تو 'تفریحات' کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے جانے لگے۔ ذہنی وجسمانی تکان سے نجات، تکلیف دہ حالات سے وقتی فرار کے لیے اس کو وسیلہ بنایا گیا۔ یہ تعیش کا بھی سامان ہوا۔ وقت آگے بڑھا۔ انسان تہذیب کے دور میں داخل ہوا

تو تفریح کو غیر شعوری طور پر وہ روپ ملنے لگا جسے بعد میں ادب کا ایک جز قرار دیا گیا۔ تفریحات میں سے ایک تفریح واقعات کو دلچسپ انداز میں بیان کرنا ہوتا ہے۔ تا کہ انسان اُس سے لطف اندوز ہو سکے۔ واقعات بیان کرنے میں بال و پر کے اضافے سے کہانی اور قصے کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ فن اپنے عروج پر پہنچ کر داستان گوئی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اِس صنف کی تاریخ اور تعریف کا مطالعہ کریں تو واضح ہوگا کہ فارسی میں داستان، فسانہ، عربی میں قصہ، حکایت اور ہندی میں کتھا، کہانی وغیرہ اپنے معنی کے لحاظ سے بظاہر ایک دوسرے کے متبادل الفاظ معلوم ہوتے ہیں اور بآسانی ایک دوسرے کی جگہ لے سکتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے اردو کے افسانوی ادب میں اصطلاح کے طور پر مستعمل ہیں جیسے قصوں کے تحت قصہ حاتم طائی، قصہ چہار درویش، قصہ بہرام گور، حکایت میں حکایت الجلیلہ، حکایت سخن سنج، داستانوں میں داستانِ امیر حمزہ، ہزار داستان، افسانہ کے تئیں فسانہ عجائب، کتھاؤں میں کتھا سرت ساگر، برہت کتھا اور کہانی کے صیغہ میں طوطا کہانی، رانی کیتکی اور اودے بھان کی کہانی وغیرہ۔ یہ سلسلہ امیر خسرو سے رجب علی بیگ سرور تک دراز ہے۔ لیکن میرامن نے ان سب کے کچھ نکات کو ہم آمیز کرتے ہوئے داستان نویسی کو ایک نیا انداز عطا کیا جو بعد میں اردو کے افسانوی ادب میں بے حد معاون ثابت ہوا۔ یہ اردو زبان کی خوش نصیبی ہے کہ مختلف خصوصیات کے دلفریب رنگوں کی ملی جلی شکل کو 'داستان' کے نام سے تعبیر کیا گیا اور اس صنفِ ادب نے جلد ہی قبولِ عام کی سند حاصل کر لی اور پھر اصطلاحاً اس کے ایک معنی طولِ کلام یعنی بات میں بات پیدا کرنے کے متعین ہوئے بشرطیکہ اس میں دلچسپی اور اشتیاق ہو، گویا تفریحِ طبع کے لیے فرضی یا من گھڑنت بات کو بھی داستان کہا جانے لگا۔ بہر حال داستانوں میں ایک مسرور کن جذب و کشش اور چھا جانے اور گھر کر لینے والی کیفیت ضرور تھی جس کی بنا پر وہ اپنے گرد و پیش کے ماحول پر قابض ہو گئی اور شاید اسی لیے کہا جاتا کہ داستانوں میں آنکھوں کا نور، دل کا سرور اور دماغ کو آسودہ کرنے کی صلاحیت موجود تھی جس کے توسط سے مثبت سوچ، دوسروں کی بھلائی اور عزم و یقین کو فروغ ملا۔ ڈاکٹر محمد استعلامی اپنے تحقیقی مقالہ ''فارسی زبان میں داستان نویسی کا آغاز وارتقاء'' میں داستان کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

''وہ خوبصورت اور دلفریب جوابات جو انسان نے آج سے بہت پہلے اپنے جذبۂ تجسس کو دیئے ہیں اور ان کے وسیلے سے ذہنی سکون حاصل کیا ہے ان میں سے ایک کا عنوان داستان ہے''۔ (ترجمہ رئیس احمد نعمانی)

3.3 میرامن: شخصیت اور فن

میرامن کے عہد میں ضرورتاً خیال و خواب کی دنیا ہر روز نئی سج دھج کے ساتھ آباد ہو رہی تھی۔ ایک طرف اردو شاعری میں حسن و عشق کی بزم آرائیاں سج رہی تھیں تو دوسری جانب نثر میں تصورات، تخیلات، کر و فر اور شان و شوکت کی ہماہمی تھی۔ نثر میں خاص طور سے ایسے قصے رائج تھے جن میں دلچسپی اور سکون کے خیالی واقعات کی بھرمار تھی۔ اس وصف کے ادیب محیر العقول مہمات، انوکھے کردار اور عجیب و غریب حیوانات و نبات کا سہارا لیتے تا کہ بنی نوع انسان تلخ حقائق سے وقتی سکون حاصل کر سکے۔ میرامن کے مطالعہ و مشاہدہ میں یہ محفوظ تھا کہ داستان کا مقصد ایسی دنیا خلق کرنا ہے جو عام دنیا سے مختلف ہو، اور ممکن حد تک دور بھی ہو، لیکن اس سے عام دنیا کے بارے میں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ خارجی کائنات کے بارے میں نتائج نکالے جا سکیں۔ خیال و خواب کی اس کائنات کی تخلیق کے لیے تحیر و تجسس اور واقعات کے نشیب و فراز سے کام لیا جاتا اور سارا زور

واقعات کو خوب سے خوب تر بنانے پر صرف کیا جاتا۔ معاشرتی، سماجی اور سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کل کے انسان نے اپنے احساس تنہائی اور احساس محرومی کو وقت اور اُس سے پیدا ہونے والے ذہنی تناؤ کو ختم کرنے کی غرض سے داستان سرائی کا سہارا لیا تھا۔ نسخہ مُجرّب تھا، کارآمد ثابت ہوا، اور پھر دھیرے دھیرے ذہنی آسودگی، جسمانی تکان سے نجات، تکلیف دہ حالات سے وقتی فرار کے لیے 'داستان' سب سے موثر وسیلہ بن گیا۔ عقل وخرد کی کارفرمائیوں نے ایسے ایسے پیچیدہ مسائل چٹکیوں میں حل کردیئے کہ ذہن حیران و پریشان اور سامعین ششدر ہوگئے۔ خیالات کی بلند پروازی، مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزی اور زبان وبیان کی رنگینی نے داستان کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔ چوں کہ مذکورہ صنفِ ادب کا بنیادی اثر سننے، پڑھنے والے پر براہِ راست ہوتا تھا اس لیے داستانوں میں اخلاق آموزی، تہذیبِ نفس، عالمانہ دقیقہ سنجی سے بھی کام لیا جاتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کے وسیلے سے حکمرانوں سے عقیدت اور اُن کی فرماں برداری کا پرچار کیا جاتا، تاکہ عوام حاکمِ وقت کو اپنا محافظ، نگہبان اور ان داتا سمجھ سکیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ 'داستان' جہاں عوام کی تفریح طبع کا سامان تھی وہیں عوام کو خواص کے تئیں الجھائے رکھنے کا موثر ذریعہ بھی۔ عموماً ان قصوں میں ایمان وکفر کا مقابلہ ہوتا۔ حق و باطل کی معرکہ آرائی میں فتح وکامرانی حق کی ہوتی جو قاری یا سامع کے لیے سکون کا سبب بنتا۔ میر امن اس تبدیل ہوتے ہوئے معاشرے کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور پھر انھیں نئے انداز میں، دلچسپ طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اس پورے منظرنامے کو سمجھنے کے لیے میر امن کی شخصیت اور ان کے فن پر تفصیلی گفتگو مقصود ہے۔

3.3.1 میر امن کی شخصیت:

میر امن کے حالاتِ زندگی کے تعلق سے رشید حسن خاں نے لکھا ہے:

''میر امن کے مفصل حالات معلوم نہیں۔ اِس سلسلے کی ایسی معلومات، جس پر اعتماد کیا جا سکے (میرے علم کی حد تک) تین جگہ ملتی ہے: (۱) باغ و بہار کے دیباچے میں اُنھوں نے اپنے خاندان، اہل خانہ اور اپنے متعلق چند باتیں لکھی ہیں۔ (۲) گنجِ خوبی کے شروع میں اپنی شاعری کے متعلق چند جملے لکھے ہیں۔ (۳) فورٹ ولیم کالج میں ان کی ملازمت اور تصانیف سے متعلق کچھ دستاویزی بیانات ملتے ہیں، جنھیں عتیق صدیقی (مرحوم) نے اپنی تحریروں میں، خاص کر اپنی کتاب گل کرسٹ اور اُس کا عہد میں یکجا کر دیا ہے۔ ان کے سوا اب تک ایسا کوئی ماخذ سامنے نہیں آیا ہے جس کی مدد سے حالاتِ زندگی کی حد تک معلومات میں قابلِ قبول اضافہ ہو سکے۔ انتہا یہ ہے کہ اُن کی ولادت و وفات کے سنین کا بھی علم نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اُن کا مدفن کہاں ہے''۔ (ص:۲۴)

جدید تحقیق کے مطابق میر امن، مغل بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کی وفات سے چند روز قبل پُرانی دہلی میں پیدا ہوئے۔ محمد شاہ رنگیلا کا انتقال ۱۵/اپریل ۱۷۴۸ء کو دہلی کے قلعہ معلّی میں ہوا۔ اِس اعتبار سے میر امن کی پیدائش مارچ کے آخر یا اپریل (۱۷۴۸ء) کے آغاز میں قرار پاتی ہے۔ میر امّن کے بزرگ مغل شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آئے، اور اپنی دانشوری اور اولوالعزمی کی بدولت خطاب اور جاگیر سے سرفراز ہوئے۔ ۱۷۵۳ء میں سورج مل جاٹ نے دہلی کے قرب وجوار میں خوب لوٹ مچائی جس میں میر امن کے والد کی جاگیر بھی ضبط ہوگئی۔ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے دربار سے کچھ مدد ہوتی رہی لیکن ۱۷۶۱ء میں روز مرہ کے حالات اور معمولات سے تنگ آکر میر امن اور ان کے گھر کے بیشتر افراد (دس، گیارہ) دہلی سے عظیم آباد (پٹنہ) چلے

گئے، جہاں کے حالات دہلی کے مقابل قدرِ اطمینان بخش تھے۔ عظیم آباد میں وہ تقریباً ۳۶ برس رہے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر میں خوشحالی کے خوابوں کو آنکھوں میں سجائے ہوئے انھوں نے 'تنِ تنہا' کلکتہ کا رُخ کیا۔ کشتی کے ذریعہ کلکتہ پہنچے۔ گنگا ندی کا یہ سفر اُن کا یادگار سفر رہا۔ کئی دوست ملے جن کے توسط سے نواب دلاور جنگ کے چھوٹے بھائی محمد کاظم خاں کے وہ اتالیق مقرر ہوئے۔ وہاں انھوں نے دو سال بحیثیت معلم کے گزارے۔ منشی میر بہادر علی حسینی کے وسیلے سے ڈاکٹر جان گل کرسٹ تک پہنچے۔ ان کی علمیت اور لیاقت کے پیش نظر اپریل ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج کے شعبہ ہندوستانی میں ''ماتحت منشی'' کی خدمت پر مامور ہوئے اور چالیس روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ لیکن ۴؍مئی کو انھیں منشیوں کی فہرست میں شامل کرلیا گیا۔ اس عہدے پر وہ پانچ سال بخوبی خدمت انجام دیتے رہے۔ گھٹنوں کی تکلیف اور ضعف کی وجہ سے تقریباً ۵۸ سال کی عمر میں، کالج کے پرنسپل نے اُنھیں چار ماہ کی زائد تنخواہ کے ساتھ ۴؍جون ۱۸۰۶ء کو ملازمت سے سبک دوش کردیا۔

رام بابو سکسینہ، حامد حسن قادری سے لے کر رشید حسن خاں تک سبھی نے اس کا ذکر کیا ہے کہ کچھ تذکرہ نویسوں نے ان کا نام امان اور تخلص امنؔ درج کیا ہے، جو دُرست نہیں ہے۔ انھوں نے بہت کم شاعری کی ہے، تمام تر توجہ ان کی نثر پر رہی ہے۔ البتہ انھوں نے تخلص لطفؔ ضرور اختیار کیا ہے۔ بقول رشید حسن خاں:

''باغ و بہار' اور 'گنجِ خوبی' دونوں کتابوں کے دیباچوں میں اُنھوں نے اپنا نام ''میر امن'' لکھا ہے۔ باغ و بہار طبع اول کے سرورق پر اور اُس کے آخری صفحے پر بھی ''میر امن'' ملتا ہے اور ہندی مینول میں بھی یہی ہے۔ اُس عہد کی کسی اور کتاب میں یا کسی اور جگہ ''میر امن'' کے سوا اور کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا، جس سے یہ گمان بھی کیا جاسکے کہ اُن کا نام کچھ اور ہوگا۔ اور ہاں، 'گنجِ خوبی' کا جو خطّی نسخہ میر امن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اُس کے آخری صفحے پر قطعہ تاریخ ''تاریخ گنج خوبی'' کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اور اس قطعے کے آخر میں میر امن نے اپنے قلم سے ''میر امن لطف'' لکھا ہے۔ اِس کے بعد اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں رہتی کہ اُن کا نام ''میر امن'' تھا اور ''لطف'' ، تخلص تھا''۔ (ص:۲۸)

انھوں نے اپنی تخلیقات میں اپنا تعارف میر امن دلّی والا کہہ کر کرایا ہے۔ عظیم آباد میں بھی وہ درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اور کلکتہ میں بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ملازمت سے سبک دوشی کے بعد وہ مسلسل بیمار رہنے لگے۔ اِس حالت میں وہ کب تک زندہ رہے، حتمی طور پر کہنا مشکل ہے لیکن انھوں نے کلکتہ میں ہی وفات پائی۔

اِس بابت رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''بہر حال یہ ثابت ہے کہ میر امن، فورٹ ولیم کالج میں ۴؍جون ۱۸۰۶ء تک کام کرتے رہے اور اِسی مہینے میں سبک دوش کردیئے گئے۔ اس تاریخ تک وہ بہ قیدِ حیات تھے، مگر اُس کے بعد کا احوال معلوم نہیں۔ وہ کب تک زندہ رہے، کب انتقال ہوا، کہاں دفن ہوئے، ان میں سے کوئی بات معلوم نہیں۔ ۱۸۰۶ء میں جب وہ پیرانہ سالی اور جسمانی معذوری کا عذر کرتے ہیں، تو اِس کا مطلب یہ بھی ہے کہ عمر کے لحاظ سے وہ اُس وقت بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ محض قیاساً یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اُس وقت اُن کی عمر پینسٹھ ۶۵ سال سے کم نہیں ہوگی۔ ستّر سال سے بھی کچھ زیادہ ہو، تو بھی یہ قرینِ قیاس رہے گی، بلکہ زیادہ قرینِ قیاس ہوگی، مگر اِس سلسلے میں قطعیت کے ساتھ فی الوقت تعین نہیں کیا جاسکتا''۔ (ص:۴۳)

فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران انھوں نے دو ۲ اہم کتابیں، باغ و بہار اور گنج خوبی کے عنوان سے

لکھیں۔ 'گنج خوبی' معروف ادیب ملاحسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''اخلاقِ محسنی'' کا اردو ترجمہ ہے جسے میر امن نے ۱۸۰۲ء میں لکھا تھا لیکن اُن کی شہرت ''باغ و بہار'' کی وجہ سے ہوئی جس پر کالج کے پرنسپل نے پانچ سو روپے بھی انعام میں دیئے تھے۔

3.3.2 میر امن کا فن:

میر امن کے اسلوب بیان کی دلفریبیوں کا جب بھی ذکر آتا ہے تو صرف اور صرف ''باغ بہار'' پر گفتگو ہوتی ہے کیوں کہ یہ نہ صرف اُن کی شاہکار تصنیف ہے بلکہ اس میں داستانوی عہد اور اردو نثر کا سماجی، ثقافتی اور لسانی فروغ بھی جلوہ گر ہے۔ ''گنج خوبی'' کی زبان بھی دہلوی رنگ میں رچی بسی، سادہ اور سلیس ہے مگر زبان و بیان یا طرزِ اظہار کے ارتقاء میں اس کا بہت اہم کردار نہیں ہے۔ یہ محض ''باغ و بہار'' کی بدولت حاشیہ پر آتی ہے۔ البتہ ''باغ و بہار'' کا پس منظر ''چہار درویش'' سے بھی آگے جاتا ہے۔

فارسی میں چہار درویش امیر خسرو (1253ء تا1325ء) کے نام سے منسوب ہے مگر اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا ہے۔ جو نسخہ دستیاب ہے وہ مغل شہنشاہ شاہ عالم اول (۱۷۰۷ء- تا ۱۷۱۲ء) کے زمانے کا ہے اور اسے سلامت رائے کائستھ نے لکھا ہے البتہ سلامت رائے نے اعتراف کیا ہے کہ چہار درویش امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے۔ اب امیر خسرو نے یہ قصہ خود گڑھا یا فارسی، عربی، ترکی میں سُنا، یا ان زبانوں میں رائج قصوں سے مذکورہ قصہ تیار کیا، ہنوز تحقیق طلب ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ناقدین میں زیر بحث رہی ہے کہ میر امن نے فارسی کے نسخہ کو سامنے رکھا ہے یا اردو میں رائج تحسین کے قصہ کو اصل بنایا ہے۔ بہر حال میر امن کے پیش نظر ایک خاکہ ضرور تھا جس میں انھوں نے اپنے مخصوص اور منفرد طرزِ بیان کی بدولت جان ڈال دی۔ انھوں نے ۱۸۰۱ء میں یہ قصہ لکھنا شروع کیا۔ ۱۸۰۲ء میں اس کے ایک سو دو صفحات شائع ہوئے اور ۱۸۰۳ء میں یہ مکمل قصہ ''باغ و بہار'' کے نام سے جان گل کرسٹ کے سپرد ہوا جسے انھوں نے اگلے سال بڑے اہتمام سے شائع کرایا۔

''باغ و بہار'' میں چار درویشوں کے قصے کے علاوہ ایک طویل قصہ خواجہ سگ پرست کا ہے جو روم کے بادشاہ آزاد بخت کی زبان سے بیان ہوا ہے۔ آزاد بخت کے قصہ سے ہی داستان کا آغاز بھی ہوتا ہے اور اختتام بھی۔ اس طرح مذکورہ داستان میں پانچ بنیادی اور بارہ ضمنی قصے شامل ہیں۔ ''باغ و بہار'' کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر بھی روم کا بادشاہ آزاد بخت اولاد سے محروم رہتا ہے۔ لاولدی کا غم اُسے گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے اور ایک پُرانی کتاب کا مطالعہ اس پر یہ منکشف کرتا ہے کہ سکونِ قلب کی خاطر قبرستان یا کسی پہنچے ہوئے فقیر کے تکیے پر جائے۔ لہٰذا وہ بھیس بدل کر گورستان کا رُخ کرتا ہے، جہاں اُسے دور سے ایک شعلہ سا نظر آتا ہے۔ نزدیک پہنچنے پر ایک چراغ کی روشنی میں چار فقیر خاموش بیٹھے نظر آتے ہیں اور طویل رات گُزارنے کے لیے آپ بیتی سنانے لگتے ہیں۔ شروع سے ہی اس کے بیان میں ایک کشش ہے جو جلد ہی تحیّر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

پہلا درویش جو ملک یمن کے سوداگر خواجہ احمد کا بیٹا ہے، اپنی ناعاقبت اندیشی کی روداد بیان کرتے ہوئے دمشق کے سلطان کی اکلوتی بیٹی کی داستانِ عشق سناتا ہے اور جب وہ زندگی سے اُکتاہٹ، بیزاری، ناکامی کے سبب خودکشی کرنے والا ہوتا ہے تو اچانک ایک سبز پوش سوار جس کے چہرے پر نقاب ہوتی ہے، نمودار ہو کر اسے

مشفقانہ لہجے میں ملک روم جانے کی ہدایت کرتا ہے۔قصّہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سامعین/ قارئین کو باندھے رکھتی ہے۔ نیز پھر کیا ہوا؟ جاننے کا تجسس شدّت اختیار کرتا ہے۔

دوسرے درویش کی کہانی فارس کے شہزادے سے شروع ہوتی ہے جسے حاتم کی پُر وقار شخصیت کے قصے اپنی طرف ملتفت کرتے ہیں اور بصرے کی شہزادی کی سخاوت محبت میں مبتلا کرتی ہے۔ سات بیٹیوں کے ذکر کے ساتھ ملک نیم روز کے شہزادے کی داستان اور پھر اس سے کیے ہوئے وعدے کی تکمیل نہ دیکھ کر جان دینے کا ارادہ کرنا عین وقت پر مشکل کشا کا ظاہر ہو کر اُسے بھی روم جانے کا مشورہ دینا مذکورہ حصہ میں شامل ہے۔

اس مقام تک پہنچتے پہنچتے رات گُزر چکی ہوتی ہے۔آزاد بخت محل واپس آتا ہے اور چاروں درویشوں کو بلوا کر اپنا قصہ سناتا ہے تاکہ بقیہ دونوں درویش آزادانہ طور پر اپنی بپتا سُنا سکیں۔ایک قیمتی لعل سے شروع ہونے والی کہانی نیشاپور کے سوداگر تک پہنچتی ہے،جس کے پاس بارہ قیمتی لعل ہیں اور جنھیں وہ کتّے کے گلے میں ڈالے رہتا ہے۔ خواجہ سگ پرست کے اس قصہ میں سلیمانی کنواں، زیرباد کی ہندو شہزادی، وزیر زادہ بہرمند اور آذربائیجان کے سوداگر کی کہانی بھی شامل ہے۔آزاد بخت کے خاموش ہوتے ہی تیسرا درویش جو عجم کا بادشاہ زادہ ہے، کالے ہرن کے شکار، فرنگی لباس لڑکی، نعمان سوداگر، پنجرے میں قید شہزادے کا ذکر کرتے ہوئے والدین سے ملنے اور شہزادی کی گھوڑی کے غرق ہو جانے کے واقعہ کو بیان کرتا ہے۔اُسے بھی دنیا سے ناطہ توڑنے سے پہلے ہی برقعہ پوش سوار سامنے آکر تسلی دیتا ہے اور مُراد پوری ہونے کے لیے ملک روم جانے کو کہتا ہے۔

چوتھا درویش چین کا شہزادہ ہے جس کے والد کی جنوں کے بادشاہ سے دوستی تھی۔ والد کے مرنے کے بعد چچا وصیت سے مکر جاتا ہے اور اُسے مارنے کے جتن کرتا ہے مگر مبارک نامی وفادار غلام نہ صرف اسے بچاتا ہے بلکہ جنوں کی بستی میں لے جا کر ملک صادق سے ملواتا ہے۔سات برس کی تگ ودَو کے بعد شہزادہ تصویری حسینہ کو تلاش کر لیتا ہے۔البتہ وعدہ خلافی کے سبب جنوں کے بادشاہ ملک صادق کا معتوب ہوتا ہے۔اسے بھی پہاڑ پر نقاب پوش سوار حرام موت مرنے سے روکتے ہوئے روم بھیجتا ہے کہ وہیں پانچوں کے کام ایک ساتھ بنیں گے۔چوتھے درویش کی آپ بیتی ختم ہوتے ہی آزاد بخت کو شہزادہ کے پیدا ہونے کی اطلاع ملتی ہے۔شاہِ روم کے محل میں خوشیوں کی بہار شباب تک پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ شہزادے کے غائب ہو جانے کی گونج فضا پر چھا جاتی ہے۔تیسرے دن شہزادہ اپنے بستر پر ملتا ہے۔اس کے بعد ہر نوچندی جمعرات کو ایک بادل کا ٹکڑا آتا ہے اور شہزادے کو لے جاتا ہے اور پھر تیسرے دن واپس کر جاتا۔ یہ سلسلہ سات سال تک جاری رہا تب کہیں جا کر راز کھلا کہ شہنشاہِ جن ملک شہپال نے شہزادہ بختیار کو اپنی بیٹی روشن اختر کے لیے پسند کر لیا ہے۔ بالآخر ملک شہپال کے توسط سے چاروں درویشوں کی مُرادیں برآتی ہیں اور قصہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ہر قصہ کے آخر میں بالواسطہ طور پر نصیحت نامہ ہے۔ چھوٹے بڑے تمام پُر اثر قصّوں کی طرح موثر نصیحت نامہ قاری یا سامع کے ذہن پر بار نہیں، بلکہ اس کا ایک جُز محسوس ہوتا ہے اور دیر تک غور وفکر پر مجبور کرتا ہے۔

''باغ و بہار'' کو پڑھتے وقت گمان ہوتا ہے کہ ہم قصہ پڑھ نہیں رہے، سُن رہے ہیں۔ میر امن قاری بلکہ کہنا چاہیے کہ ناظر کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کرتے۔ قصہ سُنانے کے دوران ''کان دھر کر سُننے'' کی فرمائش کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ''اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو'' اس طرح کی درجنوں مثالیں باغ و بہار سے دی جا سکتی ہیں جو اس بات کو تقویت دیتی ہیں کہ میر امن ایک کامیاب داستان گو ہیں۔

قصہ کہنا اور قصہ سننا انسان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ میر امن اس فن سے بخوبی واقف تھے اور تحریر میں اس کا ہر پل خیال رکھتے ہوئے قصے کو طویل نہیں ہونے دیتے بلکہ وضاحت وصراحت کے لیے کہانی سے کہانی جوڑتے چلتے ہیں البتہ لب ولہجہ کا پوری طرح خیال رکھتے کہ اس میں ربط اور تسلسل کے ساتھ کشش برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں پلاٹ کا ایک تصور ملتا ہے۔ مافوق الفطرت مخلوق اور محیر العقل باتوں کے ساتھ رنگا رنگ کرداروں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ ان میں کسی نہ کسی طرح حقیقت بنی رہے۔ درسِ اخلاق کے بجائے وہ منظر نگاری پر خاص دھیان دیتے ہیں۔ اُنھیں معلوم تھا کہ داستانیں سُنانے کے لیے ہی تصنیف کی جاتیں ہیں، پڑھنے کے لیے کم، اس لیے بیانیہ پر تمام تر توجہ صرف کرنی لازمی ہوتی ہے اور اس میں جدّت اور نُدرت کی آمیزش چار چاند لگا دیتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ میر امن ایک کامیاب داستان گو اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ روانی، دل کشی، روزمرہ اور محاورے کا حسن، بول چال کی زبان، جزئیات نگاری، لفظوں کا برمحل، خوبصورت اور معنی خیز استعمال اور حسبِ ضرورت ہندی الفاظ سے استفادہ اُن کے طرزِ نگارش کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے اسلوب بیان کی یہ خوبیاں اُنھیں ممتاز داستان گو ثابت کرتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اردو میں بہت سے داستان گو گزرے ہیں اور انھوں نے متعدد داستانیں کہی ہیں جو اپنے زمانے میں مقبول بھی ہوئیں لیکن میر امن اُن چُنندہ داستان گویوں میں سے ہیں جنھیں بعد کے دور میں بھی پسند کیا گیا اور آج بھی عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

فنّی اعتبار سے ''باغ و بہار'' دہلوی اردو نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ چوں کہ اُن کا بچپن دہلی میں گزرا تھا۔ عظیم آباد آنے کے بعد بھی گھر کا ماحول دہلوی رنگ میں رچا بسا تھا۔ لہٰذا میر امن اس سے اچھی طرح واقف تھے کہ دہلوی نثر کیا ہے؟ چنانچہ باغ و بہار کی سب سے بڑی خوبی جس نے ناقدین کو بہت زیادہ متوجہ کیا، اس کی رواں، بامحاورہ، سادہ اور دل نشین نثر ہے! ناقدین نے دہلوی نثر کی خوبی یہی بتائی ہے کہ اندازِ تحریر ایسا ہو جیسے کوئی باتیں کر رہا ہو۔ یعنی بول چال کی زبان، چھوٹے چھوٹے جملوں کی روانی، سادگی اور جزئیات نگاری۔ میر امن اس کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ''جولڑکے بالے، عام وخاص بولتے چالتے ہیں، اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے''۔ ان کی نثر کی خوبیوں کو اس طرح مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ لفظوں کی تکرار اور تابع مہمل الفاظ سے حُسن پیدا کرنا۔
۲۔ اضافی اور توصیفی ترکیبوں سے گُریز۔
۳۔ محاوروں اور گھریلو کہاوتوں کا برمحل استعمال۔
۴۔ ہندی الفاظ اور روزمرہ کا بے تکلف استعمال جو لہجے میں حُسن پیدا کردے۔
۵۔ ایسی تشبیہوں کا استعمال جو نثر کے لیے موزوں ہوں اور جن سے واقعات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔
۶۔ عام فہم استعارات کی آمیزش سے نثر میں وسعت اور گہرائی پیدا کرنا۔
۷۔ صنائع بدائع کے استعمال کے ساتھ اشعار کا خوبصورت اور موثر استعمال۔

میر امن نے تصنع، تکلف، عبارت آرائی سے تو پرہیز کیا ہے لیکن کہیں کہیں مسجع اور قافیے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ مذکورہ بالا خوبیوں کے علاوہ تکلم کا انداز، بات چیت کا لب ولہجہ، طرزِ تخاطب ''باغ و بہار'' کے اسلوب کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ ہم کہانی پڑھ نہیں، سُن رہے ہیں۔

باغ و بہار کا اثر آج بھی کم نہیں ہوا ہے۔ حالاں کہ میر امن کو قصّہ کہے ہوئے ۲ دو سو سال سے زائد ہو چکے ہیں لیکن اس کا اثر آج بھی برقرار ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی چوّن سالہ زندگی میں اُنّیس اہلِ قلم نے کم و بیش ساٹھ کتابیں تیار کیں۔ شہرتِ دوام ان میں سے صرف میر امن کی باغ و بہار کو حاصل ہوئی کیوں کہ جدید اردو نثر کی بنیاد اسی کے اسلوب پر رکھی گئی۔ غالبؔ نے جب اردو مکتوب نگاری کی طرف توجہ کی تو باغ و بہار کا اسلوب ان کے پیش نظر تھا۔ شاید یہ اس کتاب کے گہرے مطالعے کا ہی اثر تھا کہ سادگی میں جو جادو ہے اس کے وہ بھی پوری طرح قائل تھے۔ سرسید نے جب اردو میں علمی زبان کو رواج دیا تو خطوطِ غالبؔ کی روایت بھی ان کے سامنے تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ میر امن دہلوی کی باغ و بہار نہ ہوتی تو شاید غالبؔ کے اردو خطوط بھی نہ ہوتے اور نہ ہی سرسید کی علمی نثر جنم لیتی۔ اِس طرح ہم اردو نثر کے اِس پہلے بڑے نمونے سے محروم رہتے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ''باغ و بہار'' دہلوی اردو نثر کا سب سے کامیاب پہلا نمونہ ہے جسے سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

3.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں

- آپ میر امن کی شخصیت سے واقف ہوئے۔
- آپ میر امن کے فن سے واقف ہوئے۔
- آپ میر امن کے اسلوب، زبان اور اسکی دل کشی سے بھی واقف ہوئے۔
- آپ میر امن کی داستان نگاری کی خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- آپ نے میر امن کی داستان 'باغ و بہار' کی مقبولیت کے اسباب کو تلاش کیا۔
- آپ میر امن کے زمانے کی ہندوستانی معاشرت سے متعارف ہوئے۔
- آپ میر امن کے توسط سے اس زمانے کی دہلوی تہذیب و تمدن سے بھی واقف ہوئے۔

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1- میر امن نے 'باغ و بہار' کا متن کب تیار کیا، اور وہ کب شائع ہوا؟

2- میر امن کے بزرگ کس کے عہد میں ہندوستان آئے تھے؟

3- میر امن اپنے گھر والوں کے ساتھ کب عظیم آباد (پٹنہ) گئے اور وہاں کتنے عرصہ تک مقیم رہے؟

4- ''گنج خوبی'' کا اصل مصنف کون ہے؟ اور میر امن نے اس کا اردو ترجمہ کب اور کہاں کیا؟

5- بحیثیت داستان گو، میر امن کے فن پر روشنی ڈالیے۔

3.6 سوالوں کے جوابات

1- میر امن نے ۱۸۰۱ء میں یہ قصہ لکھنا شروع کیا۔ ۱۸۰۲ء میں اس کے ایک سو دو صفحات شائع ہوئے اور ۱۸۰۳ء میں یہ مکمل قصہ ''باغ و بہار'' کے نام سے جان گل کرسٹ کے سپرد ہوا جسے انھوں نے اگلے سال بڑے اہتمام سے شائع کرایا۔

-2 میرامن کے بزرگ مغل شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آئے اور اپنی دانشوری اور اولوالعزمی کی بدولت خطاب اور جاگیر سے سرفراز ہوئے۔

-3 ۱۷۶۱ء میں حالات سے تنگ آکر میرامن اوران کے گھر کے بیش تر افراد، دہلی سے عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے، جہاں کے حالات دہلی کے مقابل قدرِاطمینان بخش تھے۔

-4 ''گنجِ خوبی'' معروف ادیب ملاحسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''اخلاقِ محسنی'' کا اردو ترجمہ ہے جسے میرامن نے ۱۸۰۲ء میں، فورٹ ولیم کالج میں مکمل کیا تھا۔

-5 ''باغ وبہار'' کو پڑھتے وقت گمان ہوتا ہے کہ ہم قصہ پڑھ نہیں، سُن رہے ہیں۔ وہ اپنے سامع یا قاری کو ناظر کی حیثیت سے کسی حالت میں نظرانداز نہیں کرتے ہیں بلکہ قصہ سُنانے کے دوران ''کان دھر کر سُننے'' کی فرمائش کرتے ہیں۔ جیسے ایک جگہ فرماتے ہیں ''اب خدا کے کارخانے کا تماشا سنو''۔ اس طرح کے جملے جگہ جگہ دوہرائے جاتے ہیں جو اس بات کو تقویت دیتے ہیں کہ میرامن ایک کامیاب داستان گو ہی نہیں، داستان نویس بھی ہیں۔

5.7 فرہنگ

طورطریق	رنگ ڈھنگ، برتاؤ
مافوق الفطرت	عقل وذہن سے بالاتر، انتہائی حیرت انگیز
اخلاقِ محسنی	فارسی کی مشہور کتاب جس میں ملنساری، عمدہ عادات اور اچھے برتاؤ کاذکر ہے اور اُخوت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔
چُنندہ	منتخب، چُنا ہوا
محیرالعقل	حیرت میں ڈالنے والا، عقل کو پریشان کرنے والا
متبادل	بدلنے والا، ایک دوسرے کی جگہ پر آنے والا
مستعمل	عمل میں لایا ہوا، کام میں لایا ہوا
حکایت	کہانی، بات، بیان
صیغہ	سانچے میں ڈھلی ہوئی چیز، اصل
معرکہ آرائی	لڑائی، جنگ پُرزور
پیرانہ سالی	بڑھاپا، بڑھاپے کا زمانہ
سرگزشت	ماجرا، حال
خواجہ سرا	محل کے اندر آزادانہ طور پر آنے جانے والا غلام
خجالت	شرمندگی
منکشف	کُھلنے والا، عیاں، ظاہر
ملتفت	التفات کرنے والا

تگ و دَو	دوڑ دھوپ، کوشش
نوچندی جمعرات	نئے چاند کی پہلی جمعرات
نصیحت نامہ	وہ تحریر جس میں پند و نصائح تحریر ہوں
ملحوظ	لحاظ کیا گیا، خیال کیا گیا

3.8 کتب برائے مطالعہ

رشید حسن خاں	باغ و بہار	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی جولائی ۱۹۶۵ء
ساجدہ قریشی	فرہنگِ باغ و بہار	اسلامک ونڈرس بیورو، نئی دہلی، ۲۰۱۵ء
قمرالہدیٰ فریدی	باغ و بہار	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۲ء
صغیر افراہیم	نثری داستانوں کا سفر	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، جنوری ۱۹۹۵
گیان چند جین	اردو کی نثری داستانیں (طبع دوم)	انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۶۹ء

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY